خاندان بہ طور ایک ادارہ اور اُس کی ذمے داریاں: اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں

Family as an Institution and its responsibilities, in the light of Prophet Muhammad (S.A.W) life

*ڈاکٹر سید عزیز الرحمن

Abstract

Human life has multiple centers and life revolves around all of them. A successful being in this worldly life and the life after death is the one who uses and exploits every avenue and does not fade away in a single facet or center of life. He sees and observe every aspect of it and justify and fulfil every responsibility bestowed upon him.

The center of a person' domestic life is the institution of family, so it is very important to reflect and analyze its importance in human life. The study of society reveals that family is the basis and foundation of human life husband and wife, children, parents and relatives work as a unit in a family system. Positive execution of a family creates a healthy and prosperous society and any disruption in family structure has its ramifications and repercussions on entire society. That is the reason why stability and harmony in family structure with every element working in cooperation and coordination with each other is vital and important.

Islam, through its teachings and noble deeds and practices of Holy Prophet Muhammad (S.A.W), has provided us exemplary and universal way for a strong and stable family structure.

Keywords: *Islām, Seerat un Nabi, Family, Institution.*

انسانی زندگی کے بہت سے دائرے ہیں، اس کی پوری زیست ان ہی دائروں کے گرد گھومتی ہے، اور دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے کام یاب شخص وہی ہے، جو ان تمام دائروں میں رہتے ہوئے اور تمام لوازم زیست کو برتتے اور استعمال کرتے ہوئے ان میں سے کسی ایک دائرے میں اپنے آپ کو گم نہیں کرتا اور کسی دائرے میں اس کا اپنا وجود ضم نہیں ہو جاتا، بلکہ وہ سب کو دیکھتا ہے اور برابر دیکھتا ہے، سب کے حقوق ادا کرتا ہے اور اس سلسلے میں مکمل عدل و انصاف سے کام لیتا ہے۔

انسان کی گھریلو زندگی کا محور اس کا خاندان ہے، اس لیے خاندان کی اہمیت پر غور کرنا ضروری ہے۔ انسانی معاشرت کا جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ خاندان پوری انسانی زندگی کی اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، یہ میاں بیوی، والدین، اور اولاد اور اہل قرابت سے تشکیل پاتا ہے اور اس کا نظام ایک اکائی کی صورت میں کام کرتا ہے، اس کے مثبت انداز میں سر گرم رہنے سے پورا معاشرہ

*نگراں: ریجنل دعوہ سینٹر (سندھ) کراچی۔ دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

راحت پاتا ہے، اور اس میں کسی جانب سے بھی رخنہ اندازی آہستہ آہستہ پورے انسانی معاشرے کو متاثر کر ڈالتی ہے، اس لیے خاندان کا استحکام اور صحیح بنیاد پر اس کا استوار ہونا نہایت ضروری ہے، اور خاندان کے استحکام کا مدار اِس امر پر ہے کہ اُس کے اجزائے ترکیبی باہم ایک دوسرے سے کس حد تک مربوط ہیں۔

خاندان کے ان اجزا کو باہم مربوط رکھنے کے لیے اسلام نے واضح ہدایات فرمائیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سلسلے میں اپنے اُسوۂ حسنہ کی صورت میں مثالی نمونۂ عمل عطا فرمایا ہے، جو ہر دور میں ہر اعتبار سے قابل عمل ہے۔

آج ہمارے گھریلو معاملات اسوۂ حسنہ اور تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کے سبب انتشار و مسائل کا شکار ہیں۔ انسان کی گھر کے حوالے سے اوّلین خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے جائے امن اور مقام راحت واطمینان ثابت ہو، لیکن جب گھر کا نظام درست نہج پر استوار نہیں رہتا تو وہاں سکون واطمینان کی تلاش ایک نہ پوری ہونے والی خواہش اور دم توڑتی ہوئی امید بن جاتی ہے۔ یہ چیز انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر مزید مسائل ومشکلات سے دوچار کر دیتی ہے، نتیجتاً ایسا شخص مسائل ومصائب کے گرداب میں مسلسل پھنستا چلا جاتا ہے، اس کا حل صرف ایک ہے، اسوۂ حسنہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں اپنے معاملات، طرزِ عمل، رویوں اور اپنے اندازِ زیست کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور ان تمام کوتاہیوں، خامیوں اور فروگزاشتوں پر قابو پانے کے لیے فوری طور پر کوشش شروع کی جائے، جن کا ہم اب تک شکار رہے ہیں۔

اس مقصد کے لیے اسوۂ حسنہ ہمارے لیے بہترین مشعل راہ ہے، کیوں کہ اس میں نہ صرف ہدایات ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل کی صورت میں ہمارے لیے مکمل راہ نمائی بھی ہے۔

اس مضمون میں ان ہی حوالوں سے نتائج غور وفکر پیش کیے جائیں گے، اور خاندان کے مختلف اجزا کی ذمے داریاں اور فرائض اسوۂ حسنہ کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ واللہ الموفق وھو المستعان، وعلیہ التکلان۔

انسان کی فطرت معاشرت کی طالب ہے، انسان اپنے ماحول کو ایک نظم اور ترتیب سے دیکھنے کا عادی ہے، یہ بات ایک نظام کا تقاضا کرتی ہے۔ خاندان اس کا ابتدائی اور تاسیسی نکتہ ہے، اس سے انسانی معاشرت کا آغاز ہوتا ہے۔ خاندان کیا ہے؟ اس حوالے سے چند باتیں غور طلب ہیں۔ خاندان کے لیے انگریزی میں لفظ فیملی (Family) رائج ہے، یہ لاطینی زبان کا لفظ ہے، اور بنیادی طور پر ایک گروپ ظاہر کرتا ہے جو والدین بچوں، نوکروں اور غلاموں پر مشتمل ہو۔ اس کا ممثل یونانی لفظ (Oikonomid) ہے جس سے لفظ (Economic) نکلا ہے، جو ظاہر کرتا ہے کہ خاندان بنیادی طور پر معاشی تنظیم ہے اور اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں، جو وسیع تر معاشرتی زندگی میں موجود ہیں۔ ماہر عمرانیات ایف نمکوو (Meyer F. Nimkoff) اپنی کتاب میرج اینڈ فیملی (Marriage and Family) میں خاندان کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ میاں بیوی اور اولاد پر مشتمل ایسا باہمی ربط جو نسبتاً پائیدار ہو، سمنز اور کیلر کے الفاظ میں خاندان ایک مختصر معاشرتی تنظیم

ہے جس میں کم از کم دو نسلیں شامل ہوتی ہیں اور اس کا امتیاز یہ ہے کہ یہ خونی رشتے کی تنظیم ہے۔ غرض خاندان معاشرتی زندگی کی ابتدائی وحدت ہے، جس میں بنیادی حیثیت مرد و عورت کو حاصل ہے۔[1]

خاندان۔ اسلام کا نقطہ نظر

اسلام کی نظر میں خاندان انسانی معاشرے کی پہلی اکائی ہے، اور اس کا اساسی پتھر مرد اور عورت کا پر خلوص اشتراک ہے، یہ اشتراک مساوات کے مغربی نظریے پر نہیں، بلکہ تقسیم کار کے فطری اصول پر قائم ہے۔ خاندان کا عروج مرد و عورت کا یہی باہمی اشتراک اور اس کا زوال اس تعلق کے انہدام سے وابستہ ہے۔ چناں چہ وہ تمام معاشرے جہاں خاندان کا نظام قائم ہے، اور جہاں خصوصاً غیر فطری پابندیوں کے ذریعے مرد و زن کے تعلقات کی اساس کو چھیڑا نہیں گیا، وہاں معاشرہ بھی جنسی بد عنوانی سے محفوظ ہے، اور نسل انسانی کی بقا اور سالمیت کے حوالے سے بھی دور ائے موجود نہیں ہیں، اور جہاں مرد و زن کے تعلق کو ضابطے کی بندوشوں میں ایسے غیر فطری انداز میں جکڑنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انھیں فطری تقاضوں سے ہٹ کر اپنی تسکین کے راستے تلاش کرنا پڑیں، وہاں سب سے پہلے مرد و عورت کا باہمی اعتماد کمزور ہوا، پھر تعلق میں دراڑیں پڑیں، اشتراک عمل اور تقسیم کار میں فرق آیا، اور یوں مرد و زن دونوں ایک دوسرے کے پابند رہنے کی بہ جائے خارج میں اپنی دل چسپیاں تلاش کرنے لگے۔ مرد و زن کے تعلق کو نہ تو کاروباری اصول سے پرکھا جا سکتا ہے، نہ کچھ لو اور کچھ دو کے سیاسی نظریے پر اس کو استوار کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ یہ رشتہ حیات قائم رہنے کے لیے بنا ہے، اور اس میں کسی کو علم نہیں کہ کس کے حصے کی خوشیاں، مسرتیں اور کام یابیاں کس قدر ہیں۔

خاندان کی اس اہمیت کے پیش نظر اسلام خاندان کو بہ طور ادارہ مستحکم کرنا چاہتا ہے، کیوں کہ خاندان کا استحکام پورے انسانی معاشرے کا استحکام ہے، اور خاندان کی تباہی پورے معاشرے کی تباہی اور بربادی ہے۔ اس مقصد کے لیے اسلام چند اقدامات تجویز کرتا ہے:

الف: خاندان کو مستحکم بنیادیں عطا کرتا ہے۔

ب: ایسے اسباب و عوامل کا سد باب کرتا ہے، جن سے ادارہ خاندان غیر مستحکم ہو سکتا ہے۔

ج: اِس مقصد کے لیے اسلام ہدایات بھی دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوۂ حسنہ کی صورت میں نمونۂ عمل بھی عطا کیا ہے، اور اس کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو دور بھی کرتا ہے۔

د: اس ضمن میں اسلام تعلیم و تلقین سے بھی کام لیتا ہے، اور قانون سازی بھی کرتا ہے۔

---

[1] ڈاکٹر خالد علوی، **اسلام کا معاشرتی نظام**، (لاہور: الفیصل، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۵۱۔

ھ: اسلام ضابطے بھی بیان کرتا ہے، اور مثالی صورت بھی پیش کرتا ہے، مگر جب صورتِ حال میں تبدیلی ناگزیر ہو جائے تو متبادل راستہ بھی تجویز کرتا ہے، لیکن ان راستوں کو محض مجبوری کی صورت میں اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

کسی بھی خاندان کو استحکام بخشنے کے لیے جو اخلاقی اوصاف ناگزیر ہیں ان کو سراہنے والے دنیا کے ہر کونے میں پائے جاتے ہیں، اور جن کے عمدہ اور اچھے ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا، لیکن اسوۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے ان خالص دنیاوی اُمور کی ڈور کو آخرت کی فلاح سے منسلک کر دیا ہے، اور کام یاب مومن اُسی کو قرار دیا ہے جو ان پہلوؤں کے اعتبار سے بھی کمال و حسن رکھتا ہے، نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی صرف یہی خوبی نہیں ہے کہ وہاں قول و عمل ایک ہیں، اور ایک کو دیکھ کر دوسرے کو بہ سہولت جانا اور پہچانا جا سکتا ہے، بلکہ اس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زندگی کے یہ دائرے اپنے اپنے مدار میں یکساں فاصلے اور بالکل متناسب رفتار سے گردش کرتے نظر آتے ہیں، کوئی دائرہ نہ تو دوسرے سے ٹکراتا ہے، نہ دوسرے کی حدود میں مداخلت کرتا ہے، اس بات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا تو بہت آسان ہے، لیکن اس کا حق ادا کرنا کارِ دارد ہے، اسی لیے ایک مومن کامل کی پہچان بھی ہے۔

انسان کی گھریلو زندگی اس کے خاندان کے گرد گھومتی ہے، اس لیے آغاز میں خاندان کی اہمیت پر غور کرنا ضروری ہے۔ انسانی معاشرت کا جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ خاندان پوری انسانی زندگی کی اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، یہ میاں بیوی، والدین، اولاد اور اہل قرابت سے تشکیل پاتا ہے اور اس کا نظام ایک اکائی کی صورت میں کام کرتا ہے، اس کے مثبت انداز میں سرگرم رہنے سے پورا معاشرہ راحت پاتا ہے، اور اس میں کسی جانب سے بھی رخنہ اندازی آہستہ آہستہ پورے انسانی معاشرے کو متاثر کر ڈالتی ہے، اس لیے خاندان کا استحکام اور صحیح بنیاد پر اس کا استوار ہونا نہایت ضروری ہے، اور خاندان کے استحکام کا مدار اس امر پر ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی باہم ایک دوسرے سے کس حد تک مربوط ہیں۔

زندگی کے ان دائروں میں غالباً سب سے اہم دائرہ خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ دائرہ پھر مزید چند چھوٹے چھوٹے دائروں میں تقسیم ہو جاتا ہے، کیوں کہ گھریلو اور خانگی زندگی میں انسان کا واسطہ ان چند رشتوں سے پڑتا ہے، والدین، اہل خانہ، اولاد، اہل قرابت اور ملازمین، ان تمام رشتوں اور تعلقات کی نوعیت باہم مختلف ہے، اور انسانیت کا کمال یہ ہے کہ ان رشتوں کا امتیاز و اختلاف برقرار رہتے ہوئے ان سے روابط کو استوار رکھا جائے، انسانی فطرت یہی کہتی ہے کہ ان دائروں کی حدود باہم ٹکرانے نہ پائیں، اور ان رشتوں کا تقدس و حسن بھی اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے، جب ان کا امتیاز برقرار رہے۔

ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ انسانی زیست کا یہ ایک نازک مقام ہے، اور اس باب میں نہ افراط قابل قبول ہے نہ تفریط، یہاں حد درجہ احتیاط کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی کام یابی کی کلید ہے تو ذرا سی بے احتیاطی فلاح و کام یابی کے راستے

سے بھٹکانے کے لیے کافی ہے۔ ایسے میں ہمارے لیے رسول اکرم نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بہترین سبق موجود ہے، ہمیں دیکھنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دائروں کی گردش کو کس طرح مسخر کیا؟ اور کس حسن تدبیر سے کام لے کر افراط و تفریط کے مابین راستہ بنایا، اور امت کے سامنے پیش کر دیا، زیر نظر سطور سیرت طیبہ کے اسی پہلو کے ایک مختصر مطالعے اور اس کے نتائج پر مشتمل ہیں۔

ہماری موجودہ حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، ہمارے گھروں کی کیفیت ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، پریشان سب ہیں اور ان مصائب کے حل کے متلاشی بھی، مگر شاید ہم اس حقیقت سے کم واقف ہیں کہ ہماری ان پریشانیوں کا حل ہمارے گھر میں موجود ہے، ضرورت صرف ذرا سی توجہ سے اسے سمجھنے اور پھر اس پر بھرپور عمل کی ہے۔ کاش اسوۂ حسنہ کا یہ روشن چراغ ہمارے گھروں میں پھر سے فروزاں ہو کر اپنی روشنی پھیلا سکے۔ آمین

خاندان

خاندان کے چند اہم اجزا ہیں، ہم الگ الگ ان تمام اجزا کی ذمے داریاں بیان کرتے ہیں۔

والدین

والدین انسان کے نہ صرف اس دنیا میں آنے کا سبب ہیں، بلکہ اس کی اصل بنیاد اور ماخذ و مصدر سبھی کچھ ہیں، طبعی طور پر بھی انسان والدین کا بہت سی بلکہ اَن گنت چیزوں اور بے شمار شعبوں میں محتاج ہے۔ عادات، اطوار، اخلاق، لب ولہجہ، زبان وبیان، قد کاٹھ، شکل وصورت، رسوم ورواج، پسند وناپسند وغیرہ کتنے ہی اُمور انسان میں والدین کی جانب سے منتقل ہوتے ہیں اور انسان اپنی پوری زندگی میں ان سے فیض یاب ہوتا ہے اور فائدے اٹھاتا ہے، اس لیے انسان پر والدین کے احسانات لا متناہی اور نہ ختم ہونے والے ہیں، اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اولاد اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتی، سوائے اس کے کہ وہ باپ کو کسی کے پاس غلام دیکھے اور اُسے خرید کر آزاد کر دے۔[2]

قرآن حکیم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے، جس کے مفہوم میں حسن سلوک اور ان کی اطاعت وتابع داری شامل ہے، پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے کی تلقین کرنے کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، فرمایا:

---

[2] ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی، **الجامع السنن**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۴)، ج ۳، ص ۳۶۳، رقم ۱۹۱۳، ج ۲، ص ۴۲۳، رقم ۱۵۱۰؛ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، **السنن**، (بیروت: دار المعرفہ،): ج ۴، ص ۵۱۷، رقم ۳۶۵۹

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔[3]

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اور دوسرے مقام پر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی اس طرح تلقین فرمائی گئی:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا[4]

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو "ہوں" بھی نہ کہو اور نہ اُن کو جھڑکو اور اُن سے ادب سے بات کرو اور اُن کے لیے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور کہو کہ اے میرے پروردگار! تو ان دونوں پر رحمت فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

ایک روایت میں آپ ﷺ نے والدین کی خدمت کو جہاد قرار دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں جہاد میں شریک ہو سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمھارے والدین (زندہ) ہیں؟ اُس نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ان ہی میں جہاد کرو، یعنی ان کی خدمت کرو۔[5]

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین تمھاری جنت بھی ہیں (اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو) اور تمہاری دوزخ بھی (اگر ان کی نافرمانی کرو)۔[6]

ایک روایت میں والدین کی خدمت کو رزق میں اضافے اور عمر کی درازی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اُس کی عمر دراز ہو اور اُس کے رزق میں اضافہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔[7]

پھر یہی نہیں، بلکہ مشرک ماں کی خدمت کو بھی لازم قرار دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ایک

---

[3] النساء: ۳۶

[4] بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴

[5] محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری، **الصحیح**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۵)، ج ۴، ص ۳۴۔ ابو الحسین مسلم بن حجاج، **الصحیح**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۸): ج ۴، ص ۱۶۳، رقم ۲۵۴۹۔ ترمذی، **الجامع**: ج ۳، ص ۲۵۵، رقم ۱۶۷۷

[6] ابن ماجہ، **السنن**: ج ۴، ص ۵۱۷، رقم ۳۶۶۱

[7] احمد بن محمد بن حنبل، **المسند**، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳): ج ۴، ص ۱۶۹

مرتبہ میری ماں میرے پاس آئی۔ اس وقت وہ مشرکہ تھی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہوئی ہے اور وہ مجھ سے مالی امداد کی طالب ہے۔ کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضرور، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔[8]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کو اللہ کی رضامندی کا باعث بھی بتایا۔ چناں چہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نیک اولاد ماں باپ پر محبت بھری ایک نظر ڈالتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے بدلے اُسے ایک حج مقبول کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی ایک دن میں سو بار اسی طرح رحمت و محبت کی نظر ڈالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اگر کوئی سو بار ایسا کرے تب بھی۔ اللہ تعالیٰ (تمھارے تصور سے) بہت بڑا اور (تنگ دستی جیسے عیبوں سے) بالکل پاک ہے۔[9]

پھر چوں کہ اولاد کی پرورش میں ماں کی محنت اور مشقت زیادہ رہتی ہے، اس سلسلے میں اُسے زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے اسلام کی نگاہ میں ماں کا درجہ بھی باپ سے بڑھا ہوا ہے، ایک روایت میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو حسن معاملہ کا مستحق قرار دیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اچھے معاملے کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تیرا باپ۔[10]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بہت پہلے وفات پا گئے تھے، آپ کے والد حضرت عبداللہ صحیح قول کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو ماہ پہلے انتقال کر گئے تھے، جب کہ اس وقت خود اُن کی عمر ۱۸ سال تھی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر مبارک صرف ۶ برس تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خدمت کا موقع بھی نہ مل سکا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ جن کا ہوازن کے معزز و معروف قبیلے بنو سعد سے تعلق تھا، اور جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تھا، وہ کافی عرصے حیات رہیں، انھوں نے جس

---

[8] بخاری، **الصحیح**، ج ۲، ص ۱۶۱، رقم ۲۶۲۰۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، **السنن**، (بیروت: دارالفکر، ۱۹۹۴)، ج ۲، ص ۴۹، رقم ۱۶۶۸۔ مسلم، **الصحیح**، ج ۲، ص ۹۰، رقم ۱۰۰۳

[9] محمد بن عبداللہ الخطیب العمر تبریزی، **مشکوۃ المصابیح**، (دہلی: مطبع مجتبائی)، کتاب البر والصلہ

[10] بخاری، **الصحیح**، ج ۴، ص ۸۰، رقم ۵۹۷۱۔ ابن ماجہ، **السنن**، ج ۴، ص ۵۱۶، رقم ۳۶۵۸

شفقت و محبت سے آپ کی پرورش کی، اس کا صلہ آخرت میں تو ملے گا ہی، دنیا میں بھی ان کے وہم و گمان سے بڑھ کر ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عہد رسالت تک زندہ رکھا اور اسلام سے مشرف فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو ماں کے برابر سمجھتے تھے اور ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ وہ آپ سے ملنے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں، میری ماں کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ اسی طرح آپ کو اپنے رضاعی بھائی اور بہنوں سے بھی بڑی محبت تھی، خصوصاً حذیفہ سے، جو شیماء کے لقب سے مشہور ہیں، یہ بڑی تھیں اور حضور کی خدمت کیا کرتی تھیں، غزوہ حنین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھیں تو آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھادی تھی۔ [11]

اسی طرح حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ (ایک جگہ کا نام) میں گوشت تقسیم فرمارہے تھے کہ ایک عورت آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے اپنی چادر بچھادیا ور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آں حضرت کی رضاعی ماں ہیں۔ [12]

ابوداؤد کی مراسیل کی ایک روایت میں ذکر ملتا ہے کہ عمر بن سائب روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اپنے کپڑے کا کچھ حصہ بچھا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئے، پھر آپ کی رضاعی والدہ تشریف لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے کا مزید حصہ ان کے لیے دراز فرمادیا، وہ بھی اس پر تشریف فرما ہو گئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تشریف لائے تو آپ کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھادیا۔ [13]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے اُس دلی احترام کا پتا چلتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے رضاعی رشتے داروں کے لیے تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہماری اس بارے میں راہ نمائی کرتا ہے کہ اپنے والدین اور قریبی عزیزوں کے ساتھ ہمارا رویہ، انداز اور برتاؤ کس قدر قربت، محبت اور احترام پر مبنی ہونا چاہیے۔ خاندان کو تحفظ والدین سے فراہم ہوتا ہے، اور اس کی بقا بھی والدین کے دم قدم سے ہے، ہماری معاشرتی کم زوریوں میں والدین کے مقام سے ناواقفیت اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ نہ کرنا سر فہرست ہے، جس کے سبب خاندان کا ادارہ ضعف کا شکار ہو رہا ہے۔

---

[11] ابن ہشام، **السیرۃ النبویہ**، (بیروت: دار المعرفہ، ۱۹۷۸)، ج ۱، ص ۱۸۵۔ ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس، **عیون الاثر**، (مدینہ منورہ: مکتبہ دار التراث، ۱۹۹۲)، ج ۱، ص ۹۳

[12] ابوداؤد، **السنن**، ج ۴، ص ۳۷۴، رقم ۵۱۴۴

[13] عماد الدین ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۱ء)، ج ۴، ص ۳۹۳

آج ہمارے گھروں میں اس حوالے سے جو صورت حال پیدا ہوتی جارہی ہے، اس کے لیے ان سطور میں ہدایت وراہ نمائی کا بہت سامان موجود ہے، ہم بعض اوقات لاپرواہی میں، کبھی نادانستگی میں اور کبھی جانتے بوجھتے ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو احترامِ والدین کے منافی ہیں۔ بعض اوقات ہمارے رویے ان تعلیمات کے شایان شان نہیں ہوتے، یہ سب باتیں ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہیں۔ ہم سب کو اس حوالے سے اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہیے۔

بحیثیت شوہر

عفت وعصمت اُن چیزوں میں سے ہے جن کی حفاظت اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، عفت وعصمت کا جذبہ فطرت انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے، مرورِ زمانہ سے اس میں اگر تغیر آیا بھی ہے تو اس کے اسباب خارجی نوعیت کے ہیں، اور ان سے صرف یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ انسانی فطرت جہاں پر ان کے اثرات قبول کر کے مسخ ہو جاتی ہے، وہاں اس قسم کے حادثات جنم لیتے ہیں، عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے اسلام نے نکاح کا پورا قانون وضع کیا اور اس پر چلنے کی ترغیب دی ہے۔ سورۂ نور میں فرمایا:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ [14]

اور تم میں سے جو مجرد ہوں اُن کا نکاح کر دیا کرو۔ اور تمھارے غلام اور باندیاں جو نیک ہوں اُن کے بھی (نکاح کر دیا کرو)۔

تعلیمات اسلام اعتدال کا دوسرا نام ہے، اسلام انسانوں کو نہ تو فرشتہ بننے پر مجبور کرتا ہے اور نہ وہ ان کا شیطان بننا گوارا کرتا ہے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے دائرے میں رَہ کر زندگی گزارے اور یہی اس کا کمال ہے، وہ کھانا پینا بھی نہ چھوڑے اور روزے بھی رکھے، اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور راحت وآرام بھی، شادی کر کے جنسی میلان بھی پورا کرے، مگر عفت وعصمت کی حفاظت کے وقت فرشتہ بھی بن جائے، گویا وہ ایک انسان ہو جس کے اندر ملکوتی صفات بھی ہوں اور انسانی اوصاف بھی، یہ بات انسانی مجد وشرف کے خلاف ہے کہ وہ اپنے دامن عفت کو آلودہ ہوتے ہوئے دیکھ کر برداشت کرے، جنسی میلان کی تکمیل اگر انسان کا پیدائشی حق ہے تو اس کے ساتھ ناجائز طریقوں سے اجتناب اس کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ [15]

اسی بنا پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يامعشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فان اغض للبصر، واحصن للفرج- [16]

---

14 النور: ۳۲

15 مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی، **اسلام کا نظامِ امن**، (کراچی: ایچ ایم سعید، ۱۹۹۱)، ص ۳۴۷

16 بخاری، **الصحیح**، ج ۳، ص ۳۶۳، رقم ۵۰۶۶۔ ابو حاتم محمد ابن حبان، **الصحیح**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ)، ج ۹، ص ۳۳۵، رقم ۴۰۲۶۔ عبداللہ بن عبد الرحمن الدارمی، **السنن**، (کراچی: قدیمی کتب خانہ)، ج ۴، ص ۱۷۷، رقم ۲۱۶۵

اے نوجوانو! تم میں سے جو طاقت رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ شادی کر لے، اس لیے کہ یہ نگاہ کو پست رکھتی ہے اور شرم گاہ کی محافظ ہے۔

نکاح ایک کثیر المقاصد فریضہ ہے، جس پر خاندان کی عمارت استوار ہوتی ہے، دو افراد (مرد و عورت) سے مل کر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی معاشرتی حیات کا پہلا قدم ہے۔ نکاح کی حیثیت باہم مکمل رضامندی سے ہونے والے اس کھلے معاہدے کی سی ہے جسے پورے اعتماد کے ساتھ علانیہ طور پر کیا جاتا ہے۔ نکاح کے بغیر مرد و زن کا تعلق بدترین معصیت اور ایک ایسا جرم ہے جس کی سخت ترین سزا مقرر ہے۔ معاہدہ نکاح کے ذریعے دونوں اپنے اوپر بھاری ذمے داریاں عائد کر لیتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے اُن کے پابند ہو جاتے ہیں، اس رشتے کی وجہ سے جو ایک چھوٹی سی وحدت بنتی ہے، مرد اس کا نگراں ہوتا ہے، اور اس حیثیت سے اپنے اہل و عیال کی دنیوی ضرورتوں اور اُخروی فلاح دونوں کا خیال رکھنا اس کے فرائض منصبی کا حصہ ہے جس کے لیے وہ جواب دہ ہے، اور بیوی اس کے زیر ہدایت گھر کا نظم و نسق چلاتی ہے اور اس حیثیت سے اس کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ نہ صرف گھر کے اندرونی نظم و نسق کی سنبھالے، بلکہ شوہر کی حقیقی رفاقت کرے اور اپنی عفت کو پوری طرح محفوظ رکھے۔[17]

چوں کہ انسانی زندگی کا سب سے پہلا دائرہ اس کی گھریلو زندگی ہے اور اس کا زیادہ تر وقت اپنے اہل و عیال میں گزرتا ہے، اسی لیے ہر شخص اپنے اہل و عیال سے گہری محبت بھی رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ایثار و قربانی کا سلوک بھی کرتا ہے۔ آدمی چوں کہ اہلِ خانہ کے ساتھ اپنا زیادہ وقت گزارتا ہے، اس لیے وہ غیروں کے سامنے تو اپنی وضع اور بھرم برقرار رکھ سکتا ہے مگر اپنے اہل خانہ اور خدمت گاروں کے سامنے یہ وضع اور بھرم قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ ان سے اپنی بدمزاجی، درشت خوئی، غصہ اور ایسے ہی دوسرے عیوب کو چھپا نہیں سکتا، مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، اسوۂ حسنہ اور عادات واخلاق کا ایک سب سے امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی میں ان چیزوں کا شائبہ تک نہیں ملتا۔[18]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ حیثیت شوہر بھی ہمارے لیے مثالی اُسوۂ حسنہ رکھتے ہیں، جس سے روشنی حاصل کر کے ہم اپنے گھروں کو روشن تر کر سکتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اس کی عملی تصویر تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[17] پروفیسر خورشید احمد، **اسلامی نظریہ حیات**، (کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونی ورسٹی، ۱۹۹۳ء)، ص ۴۱۷

[18] سید فضل الرحمن، **ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم**، (کراچی: زوار اکیڈمی پبلیکیشنز) ج ۱، ص ۵۲۰

خیرکم خیرکم لأهلی، وأنا خیرکم لأهلی- [19]

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سے بہتر ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک، پرہیز گاری اور صلح جوئی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا:

أن یطعمها إذا طعم وأن یکسوها إذا اکتسی ولا یضرب الوجه ولا یقبح ولا یهجر إلا فی البیت- [20]

جب خود کھائے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مانے، نہ اس کو برا بھلا کہے اور اگر اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو یہ گھر کے اندر ہو، یعنی خفا ہو کر گھر نہ چھوڑ دے۔

عورتوں کے مزاج میں حساسیت، عجلت، ضد اور ان سے ملتی جلتی صفات کا تناسب زیادہ ہوتا ہے۔ یہ باتیں ان کی فطری ساخت اور مزاج کا حصہ ہیں، جن سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں، نہ انھیں تبدیل کیا جا سکتا ہے، عورتوں کے مزاج کی اسی خصوصیت کے ساتھ ہی گزر اوقات کرنا چاہیے۔ لیکن بعض اوقات مرد حضرات خواتین کی ان نفسیاتی کیفیتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی ضد کے مقابلے مین سختی سے کام لے کر ان کی ضد اور ٹیڑھے پن کو نکال دیں۔ ایسے مردوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت عمدہ تشبیہ کے ذریعے نصیحت فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا:

المرأة کالضلع، أن اقمتها کسرتها، وإن استمتعت بها استمتعت بها وفیها عوج- [21]

عورت ٹیڑھی پسلی کی طرح ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی فکر کروگے تو اس کو توڑ ڈالوگے۔ اور اگر تم اس کے ٹیڑھے پن کے ساتھ کام لے لوگے تو کامیاب ہو جاؤگے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں مردوں کو بیویوں کے معاملے میں خوش، قانع اور راضی رہنے کا ایک نہایت عمدہ نسخہ بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو اس کی کوئی دوسری عادت

---

[19] ترمذی، **السنن** ج۵، ص۴۷۵، رقم ۳۹۲۱۔ ابن ماجہ، **السنن** ج۲، ص۶۲۹، رقم ۱۹۷۷۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیساپوری، **المستدرک**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰) ج۳، ص۳۵۲، رقم ۵۳۵۹، ۳۲

[20] ابن ماجہ، **السنن** ج۲، ص۵۹۰، رقم ۱۸۵۰

[21] بخاری، **الصحیح**، ج۳، ص۳۹۲، رقم ۵۱۸۵۔ مسلم، **الصحیح**، ج۲، ص۳۸۱، رقم ۱۴۸۶۔ ابو بکر محمد بن حسین بیہقی، **السنن الکبری**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۶) ج۱۱، ص۱۳۵۔ حاکم، **المستدرک**، ج۴، ص۱۹۲

پسندیدہ بھی ہو گی۔ [22]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے اس حوالے سے بھی مثالی نمونے کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی ازدواجی زندگی گزاری، آپ نے مختلف مصلحتوں کے پیش نظر کئی شادیاں کیں، اور ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ نو ازواج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں رہیں، یہ ایک بڑی تعداد ہے، اور عام ماحول کو دیکھا جائے تو آپ کی یہ زندگی بہ جائے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال انسانیت اور نبوت کی دلیل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف بہترین خانگی زندگی کے لیے مکمل و جامع ہدایات عطا فرمائیں، بلکہ اس اعلیٰ ترین معیار کے مطابق اپنا اسوۂ حسنہ بھی پوری دنیا کے سامنے پیش فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس برس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی، حضرت خدیجہ نے ۶۵ برس کی عمر میں وفات پائی، اس طرح وہ ۲۵ سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، ایک جانب عمروں کا یہ تفاوت، پھر اتنی طویل رفاقت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ دور بھی ایسا کہ قدم قدم پر آزمائشیں، مشکلات اور طرح طرح کے مصائب، مگر یہ سارا زمانہ حسن معاشرت کا بہترین نمونہ ہے، اس دوران ذرا دیر کے لیے بھی کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی، جس سے کسی قسم کی رنجش یا کدورت کا اشارہ مل سکتا، آخر ایک مثالی معاشرت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو گی؟ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تعلق منقطع نہیں کیا، بلکہ اس کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں اور ملنے جلنے والی خواتین کے ہاں ہدایا اور تحائف وغیرہ بھجواتے رہے۔ [23]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ نو ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا برتاؤ مکمل طور پر یک ساں تھا، آپ خود فرماتے تھے:

اللهم هذا فعلي فيما أملك فلاتلمني فيما تملك ولاأملك۔ [24]

اے اللہ! یہ میرا کام ہے اس امر میں جس کا میں مالک ہوں، اور جس امر کا تو مالک ہے اور مجھے اس بارے میں کچھ قدرت نہیں، تو اس میں مجھے ملامت نہ کر۔

جب کہ کاشانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مالی کیفیت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں، کئی کئی روز چولہا تک نہیں جلتا تھا اور کھجور

---

22 مسلم، **الصحیح**، ج ۲، ص ۳۸۱، رقم ۱۴۶۸

23 حاکم، **مستدرک**، ج ۴، ص ۱۹۳

24 ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی، **السنن الکبریٰ**۔ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۱ء)، ج ۵، ص ۲۸۱، رقم ۸۸۹۱۔ ابن ماجہ، **السنن**، ج ۲، ص ۷۲۶، رقم ۱۹۷۱۔ ابو عبداللہ محمد ابن ابی شیبہ، **المصنف**۔ (ریاض: مکتبہ الرشد، ۱۴۰۹ھ)، ج ۴، ص ۳۷، رقم ۱۴۵۷۱

وغیرہ پر گزارا ہوتا تھا، ایسے حالات میں عین ممکن تھا کہ کوئی بات خلاف مزاج پیش آجاتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبر، مساوات پر مبنی برتاؤ اور کریمانہ طرزِ عمل نے ان حالات کو بھی تمام ازواج مطہرات کے لیے مسرت بخش بنا دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی خوبی یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات میں ازواج میں سے کسی کی حق تلفی یا کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہونے دیتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت عمدہ اور بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے۔ چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں کسی قسم کی بیہودگی اور لغویت نہیں تھی، نہ آپ کبھی چلاتے تھے اور نہ کبھی برائی کے بدلے میں برائی سے پیش آتے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم درگزر سے کام لیتے تھے۔[25]

ازواج مطہرات کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور برکت سے اتنے عمدہ تعلقات تھے کہ عام حالات میں ان کا تصور بھی ممکن نہیں۔ واقعہ افک میں جب چند دریدہ دہن منافقوں نے عفیفہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو دیگر ازواج مطہرات، خصوصاً ان ازواج کے لیے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہم سری کی دعوے دار تھیں، یہ ایک عمدہ موقع تھا، لیکن جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بابت ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کی رائے جاننا چاہی تو باوجود اس کے کہ ان کی بہن حمنہ بھی مخالفین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو چکی تھیں اور وہ خود بھی کئی حوالوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہم سری کا دعویٰ رکھتی تھیں، انھوں نے صاف صاف الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت فرمائی اور یہاں تک فرمایا:

وأحمی سمعی وبصری واللہ ما علمت علیها إلا خیرا۔[26]

میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں، خدا کی قسم! میں عائشہؓ کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتی۔

ہمارے ہاں آج یہ عالم ہے کہ الا ماشاء اللہ کم ہی گھروں میں باہمی تقسیم کار کی وہ نوعیت موجود ہوگی جو تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتی ہے، اور جس کی وضاحت اُسوۂ حسنہ سے ہوتی ہے، روایت مذکورہ میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ معیار سے کم کوئی بات نہیں فرماتے تھے، بلکہ کسی قسم کی کم زور بات کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، اور آپ یہ کوشش فرماتے تھے کہ گھریلو معاملات کو انسانی فطرت ومزاج کے مطابق چلایا جائے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں نہ تصنع تھا نہ تکلف، آج کی ہماری مسرفانہ زندگی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے اور مصائب ومشکلات کے بھنور سے نکلنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ اُسوۂ حسنہ کے ان واضح اور عملی پہلوؤں کا بہ غور

---

[25] ترمذی، **السنن**، ج ۳، ص ۴۰۹، رقم ۲۰۲۳۔ احمد، **المسند**، ج ۷، ص ۲۵۰

[26] بخاری، **الصحیح**، ج ۲، ص ۱۷۳، رقم ۲۶۶۱

مطالعہ کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی مکمل کوشش کی جائے۔ یہ امر اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر ایک مطمئن اور ذہنی آسودگی سے مالا مال گھرانا وجود میں نہیں آسکتا۔ اس لیے اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے۔

اولاد سے تعلق

خانگی زندگی کا تیسرا اہم دائرہ اولاد سے تعلق رکھتا ہے، انسانی معاشرے کا یہ وہ پہلو ہے، جس کے بغیر کوئی معاشرہ تکمیل نہیں پا سکتا، اس کی یہ اہمیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے دنیاوی زندگی میں اس کی اہمیت کے مطابق بھرپور حصہ دیا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے قبل کسی ایسی آواز کا پتا نہیں چلتا جو اس سلسلے میں دنیا کے کسی کونے سے بھی بلند کی گئی ہو۔ اسلام سے پہلے والدین کو تو اپنی اولاد پر لامحدود اختیارات حاصل تھے، مگر اولاد کا والدین پر کسی طرح کا کوئی حق نہیں مانا جاتا تھا، یہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار امتیازات میں سے ایک ہے کہ آپ نے اس باب میں بھی حقوق و فرائض کا توازن و تناسب قائم کیا اور بتایا کہ چھوٹوں اور بڑوں کی حدود اور ان کے حقوق و فرائض کے پیمانے بے شک جدا جدا ہیں مگر قانون کی رو سے کوئی بھی فرائض سے بالاتر نہیں، جس طرح بڑوں کے حقوق ہیں اور چھوٹوں پر اس حوالے سے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں، اسی طرح چھوٹوں کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی بڑوں کے فرائض میں شامل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع ترین قول مبارک ہے، فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا۔[27]

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کو اولاد کے اس دنیا میں آنے کا باعث و ذمے دار بنایا ہے، اس لیے والدین کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ اولاد کشی کے کسی طریقے کو روا نہ رکھیں۔[28] اس مسئلے کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ قرآن حکیم میں شرک اور والدین کی نافرمانی کی حرمت کو بیان کرنے کے بعد اس کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ

---

[27] حاکم، **المستدرک**، ج ۱، ص ۱۳۱، رقم ۲۰۹۔ ابوداؤد، **السنن**، ج ۴، ص ۳۱۱، رقم ۴۹۴۳

[28] اسلام بلاضرورت عزل اور اسقاط حمل کی مختلف صورتوں کی تائید نہیں کرتا، نہ انہیں اچھا سمجھتا ہے، اور ایسا کرنے پر سخت گناہ کی وعید سناتا ہے، لیکن اس مسئلے کی حدود کیا ہیں؟ ضرورت کے تحت کون سی سورتیں داخل ہیں؟ یہ خالصتاً فنی اور فقہی مسئلہ ہے، اس کے لیے متعلقہ کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ [29]

آپ کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمھیں وہ چیزیں سناؤ جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور تنگ دستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی۔

والدین پر اولاد کا دوسرا اہم حق یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے۔[30] اور اگر نام کسی سبب سے مناسب نہ ہو تو اسے بدل دینا چاہیے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔[31]

تیسرا اہم حق یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اور نشو ونما کا بھرپور خیال رکھے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں ماں اپنے بچے کو دودھ پلائے اور اگر ماں نہ ہو تو باپ پر رضاعت کا انتظام کرنا اور اس کی اُجرت ادا کرنا فرض قرار دیا گیا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے۔[32] جسمانی نشو ونما کے بعد قرآن کریم نے اولاد کی تربیت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔[33]

اسلام کی نظر میں مرد و عورت برابر ہیں، اسی طرح لڑکا اور لڑکی میں بھی کوئی تفریق نہیں، اور اگر کوئی ایسا تصور رکھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مکمل نفی فرمادی، چناں چہ لڑکیوں کی پرورش کی یہ کہہ کر تلقین کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو لڑکیوں کی ذمے داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔[34]

نبیِ رحمت، ہادیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد سے تعلق بڑا قریبی نوعیت کا تھا، آپ کی اپنی بھی اولاد تھی، چار صاحب زادیاں تھی، اور تین صاحب زادے (صحیح قول کے مطابق)۔ صاحب زادے اگرچہ جلد ہی وفات پا گئے، مگر ان سے تعلق کے

---

29 الانعام: ۱۵۱

30 حافظ نورالدین علی بن ابو بکر الہیثمی، **مجمع الزوائد و منبع الفوائد**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۴) ج ۸، ص ۹۳، رقم ۱۲۸۲۹

31 ترمذی، **السنن**، ج ۴، ص ۳۸۲، رقم ۲۸۴۸

32 البقرہ: ۲۳۳

33 التحریم: ۶

34 بخاری، **الصحیح**، ج ۴، ص ۸۶، رقم ۵۹۹۵۔ مسلم، **الصحیح**، ج ۴، ص ۱۹۹، رقم ۲۶۲۹۔ ترمذی، **السنن**، ج ۳، ص ۳۶۷، رقم ۱۹۲۲

بہت سے مظاہر اوراق سیرت میں محفوظ ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی نواسے ونواسیاں تھی، جن سے آپ کی الفت وتعلق قلبی کے بہت سے واقعات ہمارے سامنے موجود ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ بچوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومہربانی کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا خیال ہوتا ہے کہ میں لمبی نماز پڑھوں، مگر نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز کو چھوٹا کر دیتا ہوں، کیوں کہ مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ اس کی ماں پر سختی کی جائے۔[35]

آپ کو اپنی نواسی اُمامہ بنتِ زینب رضی اللہ عنہا، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چوما، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا، (اس پر) رحم نہیں کیا جاتا۔[36]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک اور واقعہ ہم سب کے لیے سبق آموز ہے، اور وہ دنیاوی تعلقات اور اللہ تعالیٰ سے ربط وتعلق کی حدود کی بہت عمدہ تشریح بھی کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم بچپن ہی میں وفات پاگئے تھے، جب ان کی علالت شدت اختیار کر گئی اور وقت آخر قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سیف کے ہاں پہنچے، ان کی اہلیہ حضرت ابراہیم کی رضاعی والدہ تھیں، اور حضرت ابراہیم اس وقت جان کنی کے عالم میں تھے، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ رو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو شفقت ورحمت ہے، پھر فرمایا:

إن العين تدمع، والقلب يحزن ولانقول إلا ما يرضى ربنا، وإنا بفراقک يا إبراهيم لمحزونون۔[37]

آنکھ روتی ہے، دل غمگیں ہے، مگر ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم! ہم تمھاری جدائی پر آزردہ ہیں۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد اور بچوں سے یہ تعلق ایک رُخانہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کا یہ پہلو بھی اپنے اندر جامعیت کی امتیازی شان کا حامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان سے تعلق خاطر کا اظہار ہی نہیں

---

35 بخاری، **الصحیح**، ج ۱، ص ۱۷۱، رقم ۷۰۹

36 بخاری، **الصحیح**، ج ۴، ص ۶۸، رقم ۷۹۹۵

37 بخاری، **الصحیح**، ج ۱، ص ۳۱۷، رقم ۱۳۰۳

کیا، بلکہ ہمہ وقت اُن کی تربیت بھی فرماتے رہے، اور اُن کے روز و شب کی نہایت کڑی نگرانی بھی کرتے رہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحب زادی ہیں، لیکن ان کی یہ محبت بھی انھیں دنیاوی نعمتوں کی فراہمی کے لیے مجبور نہیں کر سکی، چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے اور گھر کے کام کاج تنہا کرنے کی بنا پر طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتی تھیں، مگر ایک بار جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر کے کام کے لیے ایک لونڈی کا مطالبہ کیا تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ فقرا و یتیموں کا حق ہے۔[38]

ہمارے گھروں میں خصوصیت کے ساتھ اس پہلو سے بے توجہی کی شکایت عام ہے۔ والدین خصوصاً باپ کاروبار حیات میں اس قدر غرق ہیں کہ انھیں اس پہلو پر توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں، بعض صورتوں میں تو کئی کئی روز، بلکہ ہفتوں بچوں سے ملاقات نہیں ہوتی، والدین کی نظر میں آج اولاد کے حوالے سے صرف یہ دل چسپی قائم ہے کہ وہ کس طرح اعلیٰ تعلیمی مراتب پر جلد از جلد فائز ہوتے ہیں، اور مزید تعلیم کے لیے اور پھر ملازمت یا کاروبار کے لیے بیرون ملک کس قدر جلد جانے میں کامیاب ہوتے ہیں، کچھ عرصے قبل تک والدین کم از کم حقیقی تعلیمی قابلیت کے تو خواہاں ہوتے تھے، اب وہ عنصر بھی ختم ہو چکا ہے، اب ان کی دل چسپی محض اچھے نمبروں کے حصول میں ہے، اور اس کے لیے سفارش اور رشوت سے لے کر دباؤ اور جبر کی ہر صورت کو روا سمجھا جا رہا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام بھی تباہ ہو رہا ہے، اور طلبہ بھی تعلیمی حوالے سے کسی امتیاز کے حامل نظر نہیں آتے، یہ سب تعلیمات نبوی سے لاعلمی اور اسوۂ حسنہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اور اس سلسلے میں ہمارے طرزِ عمل کے جو نقصانات سامنے آ رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، مگر اس سلسلے میں ہم خود بھی اپنے فرائض ادا نہ کر کے سخت گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ اولاد کی جسمانی نشو و نما کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم اور تربیت بھی والدین کے اوّلین فرائض میں شامل ہے اور اس میں صرف دنیاوی تعلیم شامل ہیں، بلکہ تعلیم و تربیت کا وہ حصہ بھی ضروری اور اہم ہے جو ہمیں اخروی کامیابی سے ہم کنار کر سکے۔

تربیت اولاد کے بغیر کوئی گھرانا اپنے مستقبل کو روشن نہیں کر سکتا، اور والدین اور اولاد کے مابین بڑھتا ہوا بُعد بھی ادارہ خاندان کے ضعف اور آگے بڑھ کر انہدام کا بڑا اور اہم ترین سبب ہے۔

اہلِ قرابت سے روابط

انسان کی گھریلو زندگی میں اولاد کے بعد اہل قرابت کا درجہ ہے، اہل قرابت کی حدود بہت وسیع ہیں، اس میں وہ تمام اعزا شامل ہیں جو کسی بھی رشتے کی رو سے قرابت رکھتے ہوں، پھر ان میں سے جو جس قدر قریب ہو گا، اسی قدر ہمارے حسنِ سلوک کا

---

[38] شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، **سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، (کراچی: دار الاشاعت)، ج ۲، ص ۲۶۳

مستحق ہو گا، اسلام تمام اہل قرابت کو ایک دوسرے کا دلی خیر خواہ، ہمدرد، مددگار اور غم گسار دیکھنا چاہتا ہے، اسی لیے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر رشتے داروں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صلہ رحمی کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے، لیکن اس میں یہ فرق بھی شریعت محمدیہ نے ملحوظ رکھا ہے کہ یہ تعاون صرف نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہو گا، وہ تمام امور جن کی بنیاد معصیت پر وہ یا جو کسی بھی نوع کی خالق کی نافرمانی یا مخلوق کی حق تلفی پر مبنی ہوں، وہ صلہ رحمی کے دائرے میں نہیں آتے۔

اسلام نے خون کے رشتوں کو تقدس عطا کرنے، ان کا احترام قائم رکھنے اور ان کی بنیاد پر صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے بہت سے اقدامات کیے ہیں۔ اہل قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کے ان خاص احکام میں سے ہے، جن کا انسان سے عہد لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ۔[39]

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتے داروں اور یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا کی اور اس عمل سے فارغ ہو گیا تو رحم نے عرض کیا کہ یہ اس کا مقام ہے، جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگتا ہے، اللہ نے فرمایا کہ ہاں، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں اس سے جوڑوں جو تم سے اپنے آپ کو جوڑے اور اس سے توڑ لوں جو تم سے اپنے آپ کو توڑے، رحم نے کہا: کیوں نہیں اے رب! اللہ نے فرمایا کہ پس یہ مقام تمھارے لیے ہے۔[40]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کے مرتکب کو بہت جلد دنیا ہی میں اس کا بدلہ یا عذاب دے اور آخرت میں بھی اس کے عذاب کو جمع رکھے، مگر دو گناہ ہیں: امام وقت کے خلاف بغاوت اور قطع رحمی۔[41]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح زندگی کے دوسرے معاملات میں حقوق و فرائض کے توازن و تناسب کو اہتمام کے ساتھ قائم کرنے کی تاکید فرماتے تھے، اور پھر خود عملی طور پر اس پر عمل پیرا ہو کر دکھاتے تھے، آپ کی یہی شانِ جامعیت اس معاملے میں بھی نمایاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طرزِ عمل اس باب میں یہ تھا کہ آپ نے آغاز کار ہی سے لوگوں کو صلح

---

39 البقرہ: ۸۳

40 بخاری، **الصحیح**، ج ۴، ص ۸۴، رقم ۵۹۸۷

41 ابوداؤد، **السنن**، ج ۴، ص ۲۹۸، رقم ۴۹۰۲

جوئی اور صلہ رحمی کی تاکید کی، اور یہ ایک تاریخی حقیقت اور امر واقعی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کاوشوں کے نتیجے میں دنیائے عرب کا وہ حصہ جو آپ سے قبل طرح طرح کے اختلافات، فسادات، لڑائیوں اور خون ریزیوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، متحد و متفق امتِ واحد میں تبدیل ہو گیا، اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گروہی تعصبات کا خاتمہ کیا، قبائلی منافرتوں کو ختم کیا اور خاندانی اختلافات کو دور کیا، یہ سب باتیں اہل قرابت میں بھائی چارے کے فروغ اور مستحکم تعلقات کے احیا میں معاون ثابت ہوئیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ بھی خاص حسن سلوک پر مبنی طرز عمل اختیار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آغازِ دعوت ہی میں اپنے رشتے داروں کو دعوت اسلام دی، انھیں نام بہ نام پکار کر اُن تک اسلام کا پیغام پہنچایا، پھر جب کلمہ حق بلند کرنے کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور طرح طرح کی مشکلات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے راہ زیست تنگ کی گئی، تب بھی آپ نے جوابی کارروائی کے طور پر کوئی ایسا اقدام نہ کیا، جس سے مشرکین مکہ کو کوئی نقصان اٹھانا پڑتا، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز بھی شامل تھے اور جو خود آپ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، پھر جب یمن کے سردار ثمامہ نے ایمان لانے کے بعد اہل مکہ کو غلے کی فراہمی بند کر دی تو اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، انھوں نے آپ کو یہی لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم آپ کے رشتے دار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ سے کہہ کر ہمارا غلہ بحال کروایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کی اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کا غلہ بحال کرنے کا حکم دیا۔[42]

غزوہ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اسیرانِ جنگ مسلمانوں کی تحویل میں آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما بھی آپ کے پاس لائی گئیں، انھوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات سے انھیں پہچان لیا تو انھیں کہا کہ اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو پورے اعزاز و احترام کے ساتھ رہ سکتی ہو، اور اگر اپنی قوم میں واپس لوٹنا چاہو تو یہ بھی ممکن ہے، میں پوری عزت کے ساتھ رخصت کروں گا، چناں چہ انھوں نے دوسری صورت کو پسند کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تحائف کے ساتھ رخصت کیا۔[43]

لیکن دوسری جانب اگر ہم اس حوالے سے اپنے احوال ملاحظہ کریں تو کسی اعتبار سے بھی ہمیں نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت معلوم نہیں ہوتی، رشتے داروں اور اہل قرابت سے ہمارے تعلقات کی قطعاً وہ نوعیت نہیں ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ

---

[42] ابن ہشام، **السیرۃ**، ج ۴، ص ۲۴۵۔ علی بن برہان الدین حلبی، **انسان العیون**، (بیروت: دار الفکر،)، ج ۳، ص ۱۷۲

[43] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص ۳۹۳

وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہونی چاہیے، معمولی باتوں کو ہمیشہ کے لیے قطع تعلقات کی بنیاد بنا لینا، بدگمانی اور سوئے ظن رکھنا، خلاف طبع کوئی بات پیش آجائے تو برسوں کے تعلقات اور خونی رشتوں تک کو یک سر فراموش کر دینا، پھر غیبت، الزام تراشی اور اس قبیل کی تمام برائیوں سے اپنے آپ کو آلودہ کرتے رہنا، محض اپنے حقوق کے حوالے سے گفت گو کرنا اور اس سلسلے میں اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض سے پہلو تہی کرنا ہمارا روزمرہ کا معمول اور روایت ومزاج کا حصہ بن چکا ہے، سب سے پہلی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ یہ تعلق اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے، اور اس کو عزت و حرمت بھی اللہ ہی کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لیے اسے کوئی انسان آخر ختم کیسے کر سکتا ہے؟ انسان صرف یہ کر سکتا ہے کہ اپنے گمان وخیال میں اسے ختم کر کے اپنے طور پر بری الذمہ ہو جائے، لیکن اس کا ایسا کوئی قدم بارگاہ خداوندی میں سند نہیں رکھتا، یہ تعلقات اللہ کا بیش قیمت انعام ہیں، اس لیے اس بارے میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کفرانِ نعمت کا درجہ رکھتی ہے، جس کا نقصان خود ہمیں ہی اٹھانا ہوگا۔

ملازمین سے رویہ

ملازمین ہماری معاشرت اور گھریلو زندگی کا لازمی جز ہیں، وہ ہمارے ساتھ زندگی کا بہت باہم و بڑا حصہ گزارتے ہیں، اور ہماری ضرورتوں کی تکمیل کا بڑی حد تک اُن پر انحصار ہوتا ہے، لیکن یہ قدرت کا نظام ہے اور فطرت کا قانون کہ کچھ لوگ جو ہم ہی جیسا وجود رکھتے ہیں، ہماری طرح کے اعضا کے مالک ہوتے ہیں، اُن کی تشکیل بھی اُسی مادے سے ہوتی ہے، جس سے طبقۂ اشرافیہ کے کسی اعلیٰ ترین فرد کی ہوتی ہے، لیکن چوں کہ قدرت کو اس کائنات کا نظام برقرار رکھنا ہے، اس لیے سماجی اعتبار سے تفاوت قائم کر کے معاشرت کے نظم ونسق کو قائم کیا گیا ہے، یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی، مگر اس کی بنا پر کسی طبقاتی تقسیم کی گنجائش پیدا نہیں کی جاسکتی، نہ سماجی مراتب کو کسی کے اعلیٰ یا ادنیٰ ہونے کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ قرآن حکیم نے عزت واحترام کی کسوٹی تقوے کو قرار دے کر باقی تمام راستوں کو بند کر دیا، فرمایا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [44]

اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

جس طرح موجودہ دور میں خادم اور ملازم خاندان کا لازمی حصہ شمار ہوتے ہیں، ماضی میں اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت غلاموں کو حاصل تھی، اور غلام و باندی کسی بھی خاندان کا جزو لاینفک متصور ہوتے تھے۔ اس دور میں ان کی حالت کچھ زیادہ ہی بری تھی، کیوں کہ وہ مال ومتاع خیال کیے جاتے تھے، انھیں اپنی ذات پر ذرا بھی اختیار نہ تھا۔ جب کہ آج کے دور میں نوکر وخادم تو تنخواہ دار ہوتے ہیں اور انھیں چھوڑ جانے کا اختیار بھی حاصل ہے، لیکن غلام ایک بالکل بے بس مخلوق تھی جس کا کوئی پرسان

---

[44] الحجرات: ۱۳

حال نہ تھا۔ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے انسانیت کی جبین سے غلامی کے اس بد نما داغ کو مٹانے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی انھیں سب سے پہلے انسانیت کے دائرے میں لے کر آئے ہیں، آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ بھی تمھاری ہی طرح کی اللہ کی ایک مخلوق ہیں، ان کے بھی کچھ حقوق تمھارے ذمے ہیں۔

آں حضرت ﷺ غلاموں سے خصوصی شفقت فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

من لاءمكم من مملوككم فاطعموه مما تأكلون واكسوه مما تلبسون ومن لم يلائمكم منهم فبيعوه ولا تعذبوا خلق الله [45]

جو غلام تمھارے مزاج کے مطابق ہوں تو جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ اور جو ناموافق ہیں، انھیں بیچ دو اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں جو غلام آتے تھے، آپ ان کو ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے، لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔ ماں باپ، قوم قبیلے اور رشتے داروں کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک غلام تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا، انھیں ان کے والد لینے آئے لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور ان کے ساتھ جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔[46]

ملازموں، غلاموں سے حسن سلوک کے زمرے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انھیں تکالیف نہ دی جائیں، خصوصاً طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر نہ لادا جائے، نہ انھیں کسی ایسے کام کا مکلف بنایا جائے جو ان کی طاقت سے باہر ہو، دورِ غلامی میں غلاموں اور باندیوں پر تشدد کیا جاتا تھا، لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی۔

ایک بار ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر پیچھے سے آواز دی کہ اے ابو مسعود! جان لو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے جتنا تم اس پر رکھتے ہو، انھوں نے فوراً عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمھیں جہنم کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔[47]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا

---

45 ابو داؤد، **السنن**، ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۶۱

46 محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری، **الطبقات الکبری**، (بیروت: دار صادر، ۱۹۹۶)، ج ۳، ص ۴۰۔۴۷

47 ابو داؤد، **السنن**، ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۹

تیار کر کے تمھارے پاس لائے اور کھانا تیار کرنے میں اس نے گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہو تو چاہیے کہ اسے ساتھ بٹھا کر کھلاوا گر کھانا کم ہو تو ایک دو لقمے ہی اسے دے دو۔[48]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک خادموں اور غلاموں کے ساتھ کس قسم کا تھا؟ اس کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنیے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہا، میں نے انکار کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، میں باہر چلا گیا، اچانک آپ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے مسکرا رہے تھے، پھر فرمایا: انس! جس کام کے لیے کہا تھا، اب تو جاؤ میں نے عرض کیا کہ جاتا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی واقعے کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سات برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، مگر کبھی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، یا یہ کام کیوں نہ کیا؟[49]

ایک جانب نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، دوسری جانب ہمارا اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ رویہ ہے، دونوں کا تقابل کر کے دیکھیے کہ کیا ان میں کہیں کوئی مناسبت ہے؟ اور ہمارا کردار و طرز عمل نبوی اسوۂ حسنہ سے کس قدر میل کھاتا ہے، اس میں کہاں کہاں اور کون کون سی خامیاں موجود ہیں، اور کس کس جگہ اصلاح کی ضرورت اور گنجائش ہے۔

آج ہمارا عمومی انداز یہ ہے کہ ہم ملازمین سے بشاشت کے ساتھ بات کرنا شاید اپنے مقام و مرتبے کے منافی تصور کرتے ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ آخر احباب اور دوستوں کے بے تکلف ماحول میں ہمارا جو رویہ ہوتا ہے، وہ ملازمین سے گفت گو کے وقت یک سر کیوں تبدیل ہو جاتا ہے؟ پھر ان کا خیال رکھنا از روئے شریعت ہماری ذمے داریوں میں داخل ہے، اور اس سے انحراف اپنے فرائض سے کوتاہی کے زمرے میں آتا ہے، اور پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے ہماری ذمے داریاں دو چند ہیں، اور اسوۂ حسنہ کی تبلیغ و ترویج کا انحصار بھی ہمارے اپنے رویوں پر ہے، اور اس سلسلے میں کوتاہی بھی قابل مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علم و عمل کو صحیح اسلامی تعلیمات میں ڈھالنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

خلاصہ کلام

اسلام کے عطا فرمودہ نظام معاشرت میں ہر دائرہ اپنے اپنے مقام پر مکمل بھی ہے اور ایک دوسرے سے باہم مربوط بھی، اسلام کا خانگی نظام بھی اسی بنا پر اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ باہم ربط وار تباط رکھتا ہے۔

---

48 مسلم، **الصحیح**، ج ۳، ص ۱۰۷، رقم ۱۶۶۳

49 ابوداؤد، **السنن**، ج ۴، ص ۲۶۳، رقم ۴۷۷۳۔ مسلم، **الصحیح**، ج ۴، ص ۳۵، رقم ۲۳۱۰

اوپر ہونے والی گفت گو سے انسان کی خانگی زندگی کے مختلف دائروں کا کردار اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ان کے فرائض وحقوق کا ایک خاکہ سامنے آتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے گھریلو اُمور کو اس انداز سے استوار رکھے کہ اس کے نتیجے میں کسی کی بھی حق تلفی نہ ہو، نہ اس کے اپنے نفس کا حق مارا جائے، نہ والدین کو اس سے شکایت ہو، نہ اہل خانہ اور اولاد اس سے ناخوش ہو، نہ ملازمین سے اس کا رویہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہو، یہ سب باتیں اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہیں، جب انسان کے سامنے نبیٔ اکرم، ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کامل صورت میں موجود ہو، اور اس پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا داعیہ بھی موجود ہو۔

اس مقصد کے لیے اسلام انسان کے اندر سب سے پہلے خوف خدا پیدا کرتا ہے، اور اس کے ذہن میں یہ حقیقت پیوست کر دیتا ہے کہ انسان ہر صورت میں اپنے رب کے سامنے اپنے تمام اُمور کے لیے جواب دہ ہے۔ اسلام یہ فکر بھی بھرپور قوت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے اُمور کی جواب دہی کرنی ہے، اور ہر شخص اپنے کیے کا خود ہی ذمے دار ہے۔ اس کی اچھائیاں اسی کے کھاتے میں لکھی جائیں گی، اور اسے اپنی کوتاہیوں اور برائیوں کا خمیازہ بھی خود ہی بھگتنا ہوگا۔ اس حوالے سے کوئی رشتہ کام نہ آئے گا۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا [50]

جس کسی نے کوئی نیک کام کیا تو وہ اپنے ہی لیے کیا اور جس کسی نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال بھی اُسی پر پڑے گا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل واضح الفاظ میں فرمایا کہ ہر شخص اپنی اپنی حدود میں ذمے دار ہے اور اس کے ذمہ داریوں کی بابت اس سے ضرور پوچھ گچھ ہوگی، فرمان نبوت ہے:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته۔[51]

تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی ذمے داری کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

ہمارے گھریلو معاملات اسوۂ حسنہ اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کے سبب انتشار و مسائل کا شکار ہیں۔ انسان کی گھر کے حوالے سے اوّلین خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے جائے امن اور مقامِ راحت واطمینان ثابت ہو، لیکن جب گھر کا نظام درست نہج پر استوار نہیں رہتا تو وہاں سکون واطمینان کی تلاش ایک نہ پوری ہونے والے خواہش اور دم توڑتی ہوئی امید بن جاتی ہے۔ یہ چیز انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر مزید مسائل ومشکلات سے دوچار کر دیتا ہے، نتیجتاً ایسا شخص مسائل

---

[50] حم السجدۃ: ۴۶

[51] احمد، **المسند**، ج ۲، ص ۱۵۵، رقم ۵۱۴۵

و مصائب کے گرداب میں مسلسل پھنستا چلا جاتا ہے، اس کا حل صرف ایک ہے، اُسوۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں اپنے معاملات، طرزِ عمل، رویوں اور اپنے اندازِ زیست کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے اور اُن تمام کوتاہیوں، خامیوں اور فرو گزاشتوں پر قابو پانے کے لیے فوری طور پر کوشش شروع کی جائے، جن کا ہم اب تک شکار رہے ہیں، اس مقصد کے لیے اسلام عملی زندگی کی اصلاح کا مسلسل درس دیتا ہے، اس کا پیغام تو یہ ہے:

خاندان کا ادارہ مغرب میں تباہی سے دوچار ہوا، جس نے ان کے پورے معاشرے کو ہلا ڈالا۔ آج ان کے تازہ اور زندہ عنواناتِ تحقیق میں خاندان کا تحفظ اور بقا بھی شامل ہے۔ اُن کے ہاں اِس تباہی کا سبب بڑھتی ہوئی مادیت، اور تصورِ آخرت کی عدم موجودگی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان دونوں عناصر کی موجودگی کے باوجود یہ ادارہ ہمارے ہاں بھی مضمحل ہو چکا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔

ان تمام مسائل کا حل آج بھی تعلیمات نبوی میں پوشیدہ ہے، اور اس مقصد کے لیے اسوۂ حسنہ ہمارے لیے بہترین مشعل راہ ہے، کیوں کہ اس میں نہ صرف ہدایات ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل کی صورت میں ہمارے لیے مکمل راہ نمائی بھی ہے، پھر اسوۂ حسنہ ہمارے اُمور زیست کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کا بھی کمال خوبی کے ساتھ احاطہ کرتا ہے، اس لیے وہاں ابہام کا بھی کوئی سوال نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ پر صحیح معنی میں عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❋❋❋❋